



Article

Overview of Urdu Mahia

اردو ماحیہ پر ایک نظر

Dr. Zeenat Bibi^{*1}, Dr. Muhammad Nasir Afridi² Dr. Sajid Javed³¹ Assistant Professor, Dept of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar² Assistant Professor, Urdu Department, Alhamd Islamic University, Islamabad³ Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sargodha, Sargodha*Correspondence: shabbir79hassan@gmail.com¹ ڈاکٹر زینت بی بی، ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی، ڈاکٹر ساجد جاوید¹ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی، پشاور، ² اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، ³ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

eISSN: 2073-3674
 pISSN: 1991-7813
 Received: 02-04-2023
 Accepted: 10-04-2023
 Online: 30-06-2023



Copyright: © 2023
 by the authors. This is
 an open-access article
 distributed under the
 terms and conditions
 of the Creative
 Common Attribution
 (CC BY) license

Abstract: Mahiya is the most popular song of Punjab. It has its own form, which distinguishes it from other genres. In it, the state of the lover's openness to nature and separation, the longing for meeting and the dying moments of waiting are interpreted. In this, the speech and expression of the woman is generally like rikhti and Bara Aama. Her feminine accent is her identity. Mahiya has more to do with singing than reading. It consists of three stanzas in Urdu. For the expression of subtle emotions and for the expression of public sentiments and feelings, Mahia is a flexible, delicate and tender language interlocutor. It belongs to a genre of folk songs. Its history reveals the rural areas of Punjab and Pothwar and the mood of the people there for centuries.

Keywords: Hijru Wasal, Mahinwal, Mahi, Loch Darlhaja, Varied Subjects, Pleasure of Longing, Softness, Tenderness, Anxiety of Waiting, Feminine Speech, Gentleness, Tamazat, The state of waiting.

ماہیے کی جڑیں بنیادی طور پر پنجابی زبان اور پنجاب کی دیہی زندگی میں دور تک پیوست ہیں۔ چنانچہ ماہیوں وال کی مناسبت سے قبول عام حاصل کرنے والا ماہیا اس قدر زبان زد عام ہوا کہ ماہی ہر محبوب کے لیے استعمال ہونے لگا۔ ماہی یعنی محبوب کے دل تک رسائی کے لیے ماہیا ایک ایسی دل کی آواز بن کر سامنے آیا جس کے لہجے نے سننے والے کے دلوں میں گھر کر لیا۔ یہ اپنے عاشقانہ مزاج کی بدولت شہرت عام رکھتا ہے۔ یہ انسانی جذبات کی داخل سے خارج کی طرف ایک ایسی رو ہے، جس میں دل درد مند کی سی کیفیت سرایت کر جاتی ہے۔ ماہی کی رومانی کشش اور پنجابی لوک داستان میں اس کی مقبولیت کی بدولت ماہی ہر عورت کے محبوب کے لیے بلیغ استعارے کا روپ دھارتا گیا۔ اس ضمن میں حیدر قریشی لکھتے ہیں:

"ہر محبت کرنے والی عورت یا لڑکی کا محبوب ماہی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ ماہی کے ساتھ

اپنی محبت کے اظہار کے لیے ماہیا عوامی گیت بن کر سامنے آیا۔"۱

محبوب کا ذکر کرنے اور اُسے یاد کرنے کے لیے نسائی لہجہ زیادہ پر تاثیر رہتا ہے۔ اس میں جو سوز اور کشش نسوانی لہجے میں پائی جاتی ہے۔ مردانہ لہجہ اُس کا اتنا متعاقل نہیں ہو سکتا۔ ہیر اور سوہنی کے محبوب کے لیے دل کی آواز کے طور پر ماہیا اہمیت رکھتا ہے۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے پنجابی شاعری میں اور پھر اُسی قبولیت کے زیر اثر اردو میں ماہیا کی روایت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ماہیے کے بارے میں محمد اقبال نجمی کی یہ رائے بالکل صادق آتی ہے:

"ماہیا دل میں اُگنے والا سد ابھار پودا ہے"۲

اردو میں ماہیا نگاری کی سراغ رسانی اور تحقیق کے باب میں حیدر قریشی کی خدمات یقیناً اہمیت رکھتی ہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ ماہیا نگاری پر بات کی جائے اور اُن کی کاوشوں کو فراموش کیا جائے۔ ماہیا نگاری کے حوالے سے اُن کا کام اس قدر معنی خیز اور حوالے کا درجہ رکھتا ہے کہ اُن کی درج ذیل پانچ کتب ماہیے کا ہر حوالے سے مکمل طور پر احاطہ کرتی ہیں۔ یہ کتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اردو میں ماہیا نگاری ۲۔ اردو میں ماہیہ کی تحریک ۳۔ اردو ماہیہ کے بانی ہمت رائے شرما ۴۔ اردو ماہیا ۵۔ اردو ماہیا تحقیق و تنقید

درج بالا کتب کے موضوعات سے حیدر قریشی کی تحقیق اور تنقید اور توضیحی مطالعے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں کے صنفِ ماہیہ کے حوالے سے مختلف نمائندہ تحقیقی موضوعات میں ماہیہ کا ہر حوالے سے مکمل احاطہ کیا ہے۔ چنانچہ ماہیہ کے آغاز و ارتقاء، ماہیہ میں اصل اوزان کی دریافت، ماہیہ کی تحریری صورت کے مسئلے، ماہیہ کے موضوعات اور ماہیہ کے مزاج کے مسئلے پر مدلل پیرایے میں مبسوط اور سیر حاصل بحث کرتے ہوئے معنی خیز نتائج مرتب کیے ہیں۔

غزل کے مزاج کی طرح ماہیہ کے مزاج میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ غزل میں عشق عاشقی کے مضامین کی بندش اور رشتہ غزال کے قیام کے ساتھ موضوعاتی تنوع پایا جاتا ہے۔ اب غزل کا کینوس پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ بالکل یہی بات اب ماہیہ پر بھی صادق آتی ہے۔ اس کی قبولیت جتنی پنجابی زبان میں ہے اتنی ہی ہند کو اور سرانیکی زبان میں بھی ہے۔ نیز اردو ماہیا ان زبانوں سے اپنی الگ تھلگ شناخت بھی رکھتا ہے۔ صنفِ ماہیا کی ہیئت، ساخت اور موضوعات کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر رقم طراز ہیں:

"اظہارِ محبت (ماہی: محبوب) کے لیے تین مصرعوں پر مشتمل پنجابی اور سرانیکی کی مقبول صنفِ سخن اردو میں بھی مستعمل ہے۔ کسی زمانے میں ماہیا لوک ادب کا حصہ اور ڈیڑھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اپنی اصلی صورت میں ماہیا صرف محبوبہ کے لیے وقف تھا اور محبوب کے حوالے سے ہی دل کا بیان ہوتا تھا۔ مگر اب ماہیا ہر نوع کے موضوعات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ۳

ٹپہ ماہیہ ہی ایک اور انداز بھی درج بالا زبانوں مروج ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں پہلی میں پہلا مصرع ایک لفظ پر مبنی ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری صورت میں اس لفظ کی تین بار تکرار ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نوازش علی نے اس کی مثال یوں پیش کی ہے:

پہلی صورت میں ٹپہ: کولے

موصلی گھڑا دے بابلا سسکٹنی صندوقاں اوھلے

دوسری صورت میں ٹپہ:

کو لے، کو لے، کو لے

موصلی گھڑا دے بابلا سسکٹنی صندوقاں او لے ۴

احمد ندیم قاسمی کے مطابق ماہیا دو ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ ماہیے کی ساخت اور ہیئت کو اردو اور ہندی زبان سے الگ شے قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ماہیے کا پہلا حصہ بے معنی ہوتا ہے اور اپنی مناسبت سے دوسرے مصرع قافیہ و ردیف پیش کرتے ہوئے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پہلا مصرع بے معنی اور غیر متعلق ہوتا ہے، جس کا مقصد غنائیت میں تان مہیا کرنا اور دوسرے مصرعے کو معنی خیز بنانا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں احمد ندیم قاسمی ماہیے کی بابت لکھتے ہیں:

"پنجاب کا محبوب ترین گیت ماہیا ہے۔ ہیئت کے لحاظ سے یہ اردو یا ہندی کی کسی صنف

شعر سے مماثلت نہیں رکھتا۔ یہ دو ٹکڑوں میں بٹا ہوتا ہے" ۵

ناقدین فن نے ماہیے کے حوالے سے مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے بعض کا موقف یہ ہے کہ ماہیا تین مصرعوں کی نظم ہوتی ہے، جس میں اختصار سے ایک مضمون مکمل طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے ماہیا نظم کے مقابلے میں غزل سے موضوعاتی مطابقت رکھتا ہے۔ البتہ مضامین کی بندش اور تسلسل کے پیرایے میں یہ نظم سے مماثل ہے۔ ناقدین کا دوسرا موقف ماہیے کے بارے میں یہ بھی ہے کہ یہ ڈیڑھ مصرعے کی نظم ہوتی ہے۔ جس کا پہلا مصرع آدھا، جبکہ دوسرا مصرع مکمل ہوتا ہے۔ یوں مفہوم کے اعتبار سے آدھا مصرع پورے سے مل کر مکمل مفہوم دیتا ہے۔ اسی طرح بعض ناقدین نے پہلے آدھے مصرع کو بے معنی اور غیر متعلق قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر بشیر سیفی نے ماہیے کے دونوں مصرعوں کو جذبات و احساسات کے اعتبار سے داخلی اور خارجی حصوں میں منقسم کرتے ہوئے اس کی تاثر پذیری پر بات کی ہے۔ چنانچہ اس اثر انگیزی اور ہیئت کے ضمن میں وہ رقم طراز ہیں:

"پنجابی ماہیوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا مصرع عام طور پر خارجی اور دوسرا مصرع داخلی جذبات و احساسات کا لفظی اظہار ہوتا ہے۔ گویا خارجی اشیا کو داخلی احساسات کے اظہار کا پیمانہ بنانے کی سعی کی جاتی ہے اور اکثر اوقات غیر محسوس طریقے سے پہلے اور دوسرے مصرع میں ربط بھی ہوتا ہے"۔ ۶

ماہیے میں ایک خاص قسم کی موسیقیت اور صوتی آہنگ مضمر ہوتا ہے۔ یہ پڑھنے سے زیادہ گائے جانے کی صنفِ ادب ہے۔ اس میں ترنم اور غنائیت کا ہونا بھی لازمی شے ہے۔ اس کا پہلا بے معنی اور غیر متعلق آدھا مصرع صوتی آہنگ کو آگے منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ریاض احمد نے ماہیے کی تکنیک پر بات کرتے ہوئے اس کا ربط و تعلق گائے جانے سے قائم کیا ہے۔ وہ ماہیے کو بیت بازی کے مقابلے کے طور پر دو فریقین کے درمیان سُراور لے سے بھی دیکھتے ہیں۔ اس ضمن میں ریاض احمد لکھتے ہیں:

"ماہیا گانے کی تکنیک میں بھی شامل ہے کہ دو گانے والے ایک دوسرے کے مقابلے یا جواب میں ماہیے کے بول گاتے ہیں۔ اس سے خیال اس طرف جاتا ہے کہ لڑکے بالے یا نوجوان چراگاہوں میں ڈھوڑ ڈنگر چراتے ہوتے یا ٹیاریں ترنجنوں میں آپس میں بولوں کے مقابلے کرتے ہوں: (جیسے: بیت بازی) وہ یوں کہ ایک لڑکا بول کی تان اڑاتا ہے اور دوسرا جواباً اس پر گرہ لگاتا ہے۔ گرہ لگانے میں توجہ قافیے یا نیک پر ہوتی ہے نہ کہ پہلے مصرع کے معنی پر۔ پہلا مصرع کسی معنوی شرط کا پابند نہیں ہوتا۔ اس لیے اس میں معنوی ربط کے گہرائی کے بجائے ماحول میں پھیلی ہوئی چیزوں سے تحریک کا تاثر ملتا ہے، جوابی بول میں ماحول سے آگے گزر کر معنوی یا جذباتی تحریک بھی شامل ہو جاتی ہے"۔ ۷

ماہیا اپنے مزاج کے اعتبار سے عاشقانہ حیثیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ داخل سے خارج کی طرف سفر کرتے ہوئے انسانی جذبات و احساسات کی ترجمانی گرد و پیش کے ماحول کی مناسبت سے کامیابی سے کرتا ہے۔ اس ضمن میں ماہیہ کو فطرتِ انسانی کا نباض اور عکاس کہنا درست ہو گا۔ ماہیا اپنے اندر عوامی جذبات و احساسات کا والہانہ اظہار یہ چاہتا ہے۔ اس میں دیہی زندگی کی سادہ لوحی اور جذباتِ محبت کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ دیہی معاشرے کی جذباتی عکاسی اور طرزِ حیات کا اظہار اگر کسی صنفِ سخن میں ہو پاتا ہے تو وہ ماہیا ہی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اترنے اور ان کے جذبات کو اپنے اندر سمونے اور آمیخت کا فریضہ ماہیا ہی انجام دیتا ہے۔ ڈاکٹر نوازش علی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"ماہیہ میں جذبات کی فراوانی ہوتی ہے۔ ماہیہ میں زیادہ تر محبوب کے ہجر و فراق میں کھلنے کی کیفیت اور اس کا بنیادی مزاج ہے، جس میں ملاقات کی خواہش و آرزو اور انتظار کے لمحات کی عکاسی ملتی ہے، بالعموم ماہیہ میں مخاطب عورت سے مرد کی طرف ہوتا ہے۔ لہذا نرمی، لوح، دھیمپن، کوتلتا، مٹھاس اور لہجے کا نزول

پن اس صنف کے بنیادی اوصاف ہیں"۔ ۸

ماہیہ کے نسائی لہجے اور محبت کے اظہار سے اس پر بر صغیر کے لوک گیتوں اور دیگر ادبی اصناف مثلاً: بارہ مامہ اور رنجی وغیرہ کے اثرات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ قدیم ہندی اور لوک گیتوں میں محبت کے اظہار کا نسوانی لہجہ اور انداز دیدنی ہے۔ اس میں یہ بھی قید نہیں کہ محبت کا اظہار صرف عورت کے ذریعے ہی کیا جائے گا۔ مرد کی طرف سے اظہار محبت کا رواج اردو شاعری اور بالخصوص تصوف میں رواج پذیر تھا، لہذا ماہیہ کے ابتدائی ایام میں ہی ہمیں مردانہ انداز مخاطب کے نمونے بھی اچھے خاصے ملتے ہیں۔ ماہیہ میں لوگ گیتوں کی طرح آہستہ آہستہ سلگنے اور انتظار میں گھلنے کی کیفیت نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ ماہیہ میں نسائی یا مردانہ انداز مخاطب ہی کیوں نہ ہو ہر دو صورتوں میں اظہار محبت، ہجر و فراق، جذبات کی ترجمانی، والہانہ پن اور انتظار میں سلگنے کی کیفیت ماہیہ کی جان ہیں۔ ماہیہ نے بھی دیگر اصنافِ سخن کی طرح انسانی زندگی کو اپنے دامن میں سمیٹنا شروع کر دیا ہے۔ لہذا آج کا ماہیا موضوعاتی تنوع کا سزاوار ہے۔ چنانچہ ماہیہ نے انسانی

روز مرہ کی زندگی کے معاملات، شادی بیاہ کی تقاریب کے متعلقات، میلے ٹھیلے کی واردات اور معاشرتی مسائل کے اظہارات جیسے موضوعات کو اپنے دامن میں سمو کر اپنے مزاج کے مطابق پیش کیا ہے۔ ماہیے نے انہی موضوعات پر بس نہیں کی بلکہ دینی شاعری کے مختلف موضوعات مثلاً: حمد، نعت، سلام، مرثیہ اور منقبت وغیرہ کو بھی اپنے دامن میں سمو رکھا ہے۔ اگرچہ ماہیے نے متنوع موضوعات کو دامن گیر کیا ہے، تاہم اس کا مرکزی اور بنیادی موضوع وہی محبوب و محب کی واردات قلبیہ ہی ہے، جو ماہیے کی اصل شناخت اور پہچان ہے۔ اس ضمن میں چند ماہیے بطور مثال دیکھیے:

اک بار تو مل سا جن

آکر دیکھ ذرا

ٹوٹا ہودل سا جن

سہمی ہو آہوں نے

سب کچھ کہہ ڈالا

خاموش نگاہوں نے (ہمت رائے شرما)

چراغ حسن حسرت کے درج ذیل ماہیے ملاحظہ کیجیے:

باغوں میں پڑے جھولے

تم بھول گئے ہم کو

ہم تم کو نہیں بھولے

راوی کا کنارہ ہو

ہر موج کے ہونٹوں پر

افسانہ ہمارا ہو

اور ساحر لدھیانوی کا یہ ماہیا:

دل لے کے دغا دیں گے

یار ہیں مطلب کے

یہ دیں گے تو کیا دیں گے

درج بالا اردو ماہیوں سے ان کی اپنی الگ تھلگ تخلیقی ہیئت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اردو ماہیا اس ضمن میں پنجابی، سرائیکی اور ہندکو ماہیے سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ اردو میں ماہیا تین مصرعوں پر مشتمل نظم کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں اور اس کا پہلا مصرع آنے والے دونوں مصرعوں کے معنی اور موضوع سے باہم مربوط ہوتا ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح یہ غیر متعلق اور بے معنی نہیں ہوتا۔ تینوں مصرعوں کا باہم ارتباط اور پہلے مصرع کا با معنی ہونا اردو ماہیے کو درج بالا زبانوں کے ماہیوں سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کے برعکس پنجابی ماہیے ڈیڑھ اور تین مصرعوں میں بکثرت ملتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اردو میں ماہیا کی تین مصرعوں پر مشتمل مربوط صورت مستعمل اور مقبول ہے۔ اردو ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دو موقف اختیار کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے تنویر بخاری نے ماہیے کا درج ذیل وزن قرار دیا ہے۔

مفعول مفاعیلین

مفعول مفاعیلین

مفعول مفاعیلین

ماہیے کے دوسرے وزن کے بارے میں ڈاکٹر جمیل ہوشیار پوری درج ذیل ارکان پیش کرتے ہیں:

فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن ۹

تنویر بخاری کے پیش کردہ وزن اور موقوف کی طرح ڈاکٹر جمیل ہوشیار پوری کے وزن اور موقوف میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اردو کے اکثر و بیش تر ماہیانگاروں کے مابین درج بالا دونوں اوزان میں ملتے ہیں۔ دونوں کی مماثلت اس اعتبار سے بھی ہے کہ وزن مفعول مفاعیلین بسا اوقات درج بالا دوسرے موقوف یا وزن فعلن فعلن فعلنکی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور مفعول مفاعیلین ہی کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ شعر اور عروضی جانتے ہیں کہ فعلن فعلن فعلن کا وزن جب روانی میں ڈھلتا ہے تو اگلے حرف میں ضم ہو کر مفعول مفاعیلین کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اس وزن کے مطابق درج ذیل مابین بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

کب شام ہری ہوگی
چھاگل تری باتوں کی
خوشبو سے بھری ہوگی (علی محمد فرشی)
ہاتھوں کی لکیروں میں
اک نام سلگتا ہے
بے آب جزیروں میں (نصیر احمد ناصر)
معلوم کسے گوری
اڑتی ہوئی عمروں کی
کٹ جائے کہاں ڈوری (نثار ترائی)
کنگن ہے کلائی میں
گھر والوں سے چھپ چھپ کر
روتی ہے جدائی میں (سیدہ حنا)

ماہیہ کے اوزان کے حوالے سے ایک تیسرا گروہ بھی سامنے آیا ہے، جس میں ممتاز عارف اور حیدر قریشی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ گروہ استاد قمر جلاوی، ساحر لدھیانوی اور ہمت رائے شرما کی قائم کردہ ماہیہ کی روایت کا علم بردار ہے۔ حیدر قریشی نے اس کی سختی سے کاربندی اختیار کی۔ اس گروہ کے مطابق فعلن (تین بار) کا وزن ثلاثی سے تعلق رکھتا ہے۔ ماہیہ کے دوسرے مصرعمیں یہ وزن فعلن فعلن فاعل ہو گا۔ چونکہ ماہیہ کا تعلق عوام اور گایے جانے سے ہے، اس لیے گانے والے اپنی آواز اور سُر کے پھیلاؤ اور سمٹاؤ سے ماہیہ کا وزن ہموار کر لیتے ہیں۔ اردو میں ماہیا نگاری کی ان تینوں روایتوں میں ماہیہ ملتے ہیں۔

ماہیہ کے ارتقا میں چراغ حسن حسرت، ساحر لدھیانوی، علی محمد فرشی، امجد اسلام امجد، قیوم نظر، جلیل عالی، نثار ترابی، حسن عباس، انجم نیازی، حیدر قریشی، زبیر کنجاہی، سیما پیروز، خاور اعجاز، نسیم سحر، ضمیر اظہر، یوسف اختر، ایم اے تنویر، فرحت نواز اور بشیر سیفی وغیرہ نے بطور ماہیا نگار فعال کردار ادا کیا ہے۔ ماہیا کی تحقیق و تنقید کے حوالے سے حیدر قریشی کی تصانیف منفرد مقام رکھتی ہیں۔

ماہیا موجودہ معنوی حیثیت میں مختلف لوک گیتوں کو اپنے دامن میں سمونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے، جس نے پنجاب اور پوٹھوار میں خاص طور پر اپنا رنگ جمایا ہے۔ ماہیا اپنی ذات کے اعتبار سے عورت اور مرد کے محبت بھرے جذبات اور ہجر و فراق کی کسک کا آئینہ دار رہا ہے۔ اس ضمن میں افضل پرویز لکھتے ہیں:

"ہندی کی ٹھمریوں کی طرح ماہیا میں بھی عورت اپنے محبوب سے خطاب کر کے

اپنے درد و فراق کا اظہار اور اس کی جفا کا گلہ کرتی ہے۔" ۱۰

ماہیہ کو عوامی مزاج اور اپنے داخل کی بدولت ایک رومانی صنفِ سخن قرار دیا گیا ہے۔ اس میں فلسفیانہ مباحث کسی طرح پیش نہیں کیے جاسکتے۔ فکر و فلسفہ کے مزاج سے یہ صنفِ سخن بالکل عاری ہے۔ لطیف جذبات و احساسات کی عکاسی کے لیے ماہیا قبول عام رکھتا ہے۔ اس کی مثال گھوڑے کے مقابلے میں ہرن کی سی ہے۔ اردو ماہیہ میں پنجابی ماہیہ کے جملہ موضوعات اور خصائص اپنی تمام تر توانائیوں کے باوصف موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔ اس حوالے سے اردو ماہیا اپنی

بھرپور شناخت رکھتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو ماہیہ نے پنجابی ماہیہ کی روایت کو آگے بڑھایا ہے، تو کچھ بے جا نہ ہو گا۔
ذیل میں چند ماہیہ بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں، جن سے اردو ماہیہ کے بارے میں کی گئی بحث کی توثیق ہوتی ہے:

پھولوں بھرے گاؤں کو

بھول نہیں سکتا

پیپل تری چھاؤں کو (عارف فرہاد)

ملنا ہو تو ملتے ہیں

پھول محبت کے

پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں (حیدر قریشی)

امراج کے دھاروں تک

اپنی کہانی ہے

طوفاں سے کناروں تک (علامہ نیاز فتح پوری)

رہتے ہو خیالوں میں

کب دن فرصت کے

بدلیں گے وصالوں میں (امین خیال)

ہر نقش مٹا ڈالا

تم نے تو محبت کو

ایک کھیل بنا ڈالا (قیوم طاہر)

حیران ہوئیں آنکھیں

کن روپ سراؤں کی

مہمان ہوئیں آنکھیں (جلیل عالی)

یوں ڈھولا نہیں کرتے

دستک پہ ہواؤں کی

در کھولا نہیں کرتے (نثار ترابی)

بادل نہ کبھی برسے

وہ شخص سمندر تھا

اک بوند کو ہم ترسے (علی محمد فرشی)

اردو ماہیہ نے ارتقا کی منازل کو طے کرتے ہوئے نظم، غزل اور گیت کے مختلف اثرات کو قبول کیا ہے۔ ماہیہ نے اس اثر پذیر کو اپنے مخصوص مزاج کے زیر اثر اور تابع رکھا ہے۔ البتہ موضوعاتی تنوع نے ایک خاص حد تک ماہیہ کے مزاج اور خدو حال پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ ایسا کرنے سے ماہیہ کو روبہ ارتقا ہونے کے لیے حرارت میسر آئی ہے۔ اس اثر پذیر سے ماہیا اور فروغ آشنا ہوا ہے۔ ماہیہ نے اپنے فطری میلان اور داخلی رجحان کا خیال رکھتے ہوئے مختلف اصناف کے اثرات قبول کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہیہ کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے اپنی بنیادی ہیئت، اسلوب اور داخلی مزاج کو قائم رکھتے ہوئے ان سے موافق چیزوں کو اپنے دامن میں کامیابی سے سمو یا ہے۔ اس اثر پذیری سے ماہیہ میں کسی طرح غیریت کا گمان نہیں ہوتا۔ ماہیا تکرار سے جدت مضامین اور تنوع کی طرف گامزن ہوا ہے۔ یہ اشیا اس کے مزاج سے کہیں بھی بغاوت کرتی نہیں دکھائی دیتیں۔ اس حقیقت سے کسی کو مفر نہیں کہ ایسے تجربات میں عدم تکمیل کا ضرور احساس ہوتا ہے، لیکن ماہیا ہونہار پروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق جذبے کی آنچ پر رکھ کر ایسے مضامین کو پختگی کی طرف لے جانے کا ہنر بخوبی رکھتا ہے۔

ماہیہ نے اپنے مزاج میں اعتدال کی فضا قائم رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق و محبت اور ہجر و وصال میں ہمیں وہ تمازت ضرور محسوس ہوتی ہے، جس سے ماہیہ کے موضوعات ٹھنڈے نہیں ہو پاتے۔ یوں ماہیا پنجاب کے دہی علاقوں سے نکلتے

ہوئے ہندوستان گیر ہوا اور اردو زبان و ادب نے اس کی تعمیر و ترقی کا بیڑا اٹھایا اور اسے یقینی کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ماہیہ نے بھی تمام تر حالات کا غزل کی طرح مقابلہ کیا اور اپنی شناخت قائم رکھتے ہوئے پروان چڑھا۔ اس صنفِ سخن نے خود کو عوام سے مضبوطی سے جوڑے رکھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن اصناف کا دامن عوام نے تھاما ہے، انہیں کبھی زوال نہیں ہوا۔ ماہیہ نے بھی عوام کے مزاج اور جذبات و احساسات کی ترجمانی اور عشق و محبت کے مزاج کے لیے خود کو وقف رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ماہیا اپنی مقبولیت میں اضافے کے سامان دیکھ رہا ہے۔ اردو ماہیہ نے تو پنجابی ماہیہ کے ارتقا میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں اٹھا رکھی۔ امید ہے کہ ماہیا اپنی تمام تر توانائیوں سمیت آنے والے وقتوں میں زندہ رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ حیدر قریشی، پنجابی لوک گیت۔ ماہیا، مشمولہ: اردو میں ماہیانگاری، فرہاد پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۴
۲۔ میلے، مشمولہ، اصناف ادب: تفہیم و تعبیر، مرتب: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، نیشنل ۲۔ محمد اقبال نجی، آباد رہی
بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۸۰

۳۔ ڈاکٹر سلیم اختر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۳۱-۳۳۲
۴۔ ڈاکٹر نواز شعلی، اردو ماہیا: آغاز و ارتقاء، مشمولہ: اردو ادب کا پاکستانی دور، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۴۷

۵۔ احمد ندیم قاسمی، پاکستان کے عوامی گیت، مشمولہ: اصناف ادب، تفہیم و تعبیر، ص ۷۷

۶۔ ڈاکٹر بشیر سیفی، پاکستان میں اردو ماہیا، مطبوعہ: ماہ نو، دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۳۱

۷۔ ریاض احمد: ماہیا وزن یا فن، مشمولہ: ماہ نامہ، صریر، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۸

۸۔ ڈاکٹر نواز شعلی، اردو ادب کا پاکستانی دور، محولہ بالا، ص ۴۹

۹۔ حیدر قریشی، اردو میں ماہیانگاری، فرہاد پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳

۱۰۔ افضل پرویز، بن پھلواری، ادارہ ثقافت پاکستان، اسلام آباد، بار دوم، ۱۹۸۴ء، ص ۵۱